

”عنایت اللہ انصاری“

*Anayetullah Ansari*

Assistant Professor Department of URDU

RBGR Collage Maharajganj SIWAN Bihar

Contact No. 9031431678 / 6201471567

Email : [anayetullahansari@rediffmail.com](mailto:anayetullahansari@rediffmail.com)

## ”Masnavi Sahrul-Bayan mein Hindustani Muashra“

BA-Urdu(Hons) Part-II (Paper-IV)

### ”مثنوی سحرالبیان میں ہندوستانی معاشرہ“

اردو کی ادبی تاریخ سے اگر کسی ایک مثنوی کا انتخاب کرنا ہو تو وہ متفقہ طور پر حسن کی سحرالبیان ہوگی میر حسن نے ایک نہیں بارہ مثنویاں لکھیں لیکن خدا نے انھیں شہرت عظمت اور عزت کے سارے عطیے سحرالبیان کے معرفت عطا کیے۔ سحرالبیان جس مقصد سے میر حسن نے لکھا، وہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوا۔ آصف الدولہ نے انھیں دو سالہ عطا کر کے رخصت کر دیا۔ جس صدمے سے میر حسن باہر نہیں نکل سکے اور ایک سال کے اندر ہی ان کی وفات ہو گئی۔ شاعر باپ میر ضاحک کی لائق اولاد میر حسن نے لکھنؤ میں قدم رکھتے ہی ”گلزارِ ارم“ مثنوی لکھی جس میں پچاس اشعار لکھنؤ کی مذمت میں تھے اور سابق مرکز فیض آباد کی کی تعریف میں دو سو سے زیادہ اشعار رقم کیے۔ آصف الدولہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ اس کے راجدھانی کو ایک شاعر ناپسند کرے جس کے نتیجے میں تمام عمر میر حسن مالی مشکلات میں مبتلا رہے۔ یہ بُرے دن سحرالبیان جیسی مثنوی لکھنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوئے لیکن جو شہرت دوام اس سے حاصل ہوئی اس نے میر حسن کو اردو کے عظیم شاعروں کی صف میں جگہ دلائی۔ آج اس مثنوی کے طفیل میر حسن کے تذکرے ”تذکرۃ اشعراۓ اردو“ دیوان میں موجود پانچ سو سے غزلیں اور طویل و مختصر گیارہ پہچانی جاتی ہیں۔

اردو کی دوسری مثنویوں کی طرح ہی سحرالبیان کا قصہ عام انداز کے عشقیہ رنگ میں ہے۔ چھ اہم کردار ہیں۔ بے نظیر، بدر منیر، نجم النساء، ماہ رخ، فیروز شاہ اور بادشاہ وقت قصے میں رنگ بھرنے کے لیے مافوق فطری عناصر کی موجودگی بھی ہے۔ حمد، نعت، منقبت، تعریف اصحاب پاک، مناجات، تعریف سخن، مدح آصف الدولہ

، بیان سخاوت، بیان شجاعت، عجز و انکسار کے بعد اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے باوجود میر حسن اسے زیادہ طویل نہیں ہونے دیتے۔ کل اشعار کی تعداد ۲۱۶۹ ہے۔ انشا اللہ خاں انشا نے سحرالبیان کے بحر کے تعلق سے یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ بحر رزمیہ کے لیے مخصوص ہے اور فارسی کے دو عظیم شاعروں فردوسی (شاہ نامہ) نظامی گنجوی (اسکندر نامہ) کے بعد ایسا لگتا تھا کہ بحر متقارب مثنیٰ مقصور (محذوف) میں صرف رزمیہ ہی لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن میر حسن نے عشقیہ داستان لکھ کر عروج دانوں کو آئینہ دکھایا اور آج یہ مسلم بات ہو گئی کہ بحر متقارب میں رزم اور بزم دونوں کے جلوے دکھائے جاسکتے ہیں۔

سحرالبیان کو لکھنؤ کے معاشرت کا زندہ اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ اودھ کی تہذیب آفتاب نصف النہار بنی تھی اور میر حسن کو بھی ”گلزارِ ارم“ سے پیدا ہوئی کدورت ختم کرنی تھی۔ فیض آباد لکھنؤ دونوں کو گہرے طور پر وہ جان رہے تھے۔ دلی کے زوال کے ساتھ اودھ کی تہذیب کی یہ ابھار میر حسن کو عزیز تھی۔ اس لیے سحرالبیان میں تہذیبی مرفعے پیش کرتے ہوئے انھوں نے اپنے فن اور علم کا مظاہرہ کرتے ہوئے واقعتاً خون جگر صرف کیا ہے۔ باغات اور شادیاں اگر سحرالبیان کا ایک بڑا حصہ ہے تو اس لیے کہ ان کے حوالے سے میر حسن لکھنوی ماحول کی جھلکیاں دکھا رہے ہیں اس سے متعلق چند اشعار ملاحظہ ہو۔

لکھنؤ کے باغات:

روشن کی صفائی پہ بے اختیار	گلِ اشرافی نے کیا زرِ ثار
چمن میں بھرا باغ گل سے چمن	کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا	کہیں رے بیل اور کہیں موگرا
کھڑے شاخ پتوں کے ہر جانشان	مدن بان کی اور ہی آن بان

کوئی پاکی میں چلا ہو سوار پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار  
وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں جنھیں گوش زہرا مفصل سنیں  
قہاقتے، ہنسی، شور و غل، تالیاں سہانی سہانی نئی گالیاں  
کلیم الدین احمد نے میر حسن کی خوبیاں بتاتے ہوئے انھیں جم غفیر کا سب سے اچھا رمز شناس

کہا ہے۔ اس سے بھی احساس ہوتا ہے کہ میر حسن سماج اور اس کی تہذیب کے بہترین واقف کار تھے۔ سحرالبیان کی مقبولیت کی ایک اور وجہ شاعر کی انسانی زندگی اور طبیعت کو گہرے طور پر سمجھنے کی وجہ سے بھی قائم ہوتی ہے۔ احتشام حسین نے اپنے مضمون میں سحرالبیان کے صفحات میں انسانی ہمدردی اور جذبہ ترجم کی مثالیں پیش کی ہیں محبت کا زور، مہمات جوئی کا وصل اور فراق کے لمحے کھونے کا احساس، مشکل احوال میں ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے اپنے اصل خواب کی طرف سرگرم سفر رہنا سحرالبیان کی عظمت کی ایک بڑی وجہ ہے۔

سحرالبیان ایک فنی شاہکار بھی ہے شعر میں کوئی جادو ہوتا ہے تو وہ جادو سحرالبیان میں ہے۔ شاعر کو بھی اپنے اس ہنر کے بارے میں پتا ہے اسی لیے اس نے ایسا نام رکھا۔ کردار نگاری، جذبات نگاری اور واقعات کی پیش کش، ان سب پر متضاد اپنے عہد کی زندہ روایتوں کو داخل کرنا یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کی نظیر اردو کی ادبی تاریخ میں نہیں ملتی اور ”آب حیات“ کے مصنف کی زبان میں یہ اظہار کرنا پڑتا ہے۔ ”کیا اسے سو برس کے آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں کہ ٹھیک ٹھیک اسی زبان کو اور محاورے میں لکھا جیسا ہم تم بولتے ہیں“۔